قرآن حکیم اور محروم طبقات

جناب میر محمد حسین صاحب ایم اے - فاضل دیوبند

تمہیدی کلمات میں نے اپنی گفتگو کے لیے جو موضوع منتخب کیا ہے وہ ہے "قرآنِ حکیم اور محروم طبقات"۔ ممکن ہے یہ پڑھتے ہی معاً آپ کو یہ خیال آئے کہ میں قرآنِ حکیم کے حوالے سے آپ کے سامنے اسلام کا اقتصادی نظام پیش کرنے چلا ہوں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ قرآنِ حکیم کے مطالعہ کے دوران ان طبقات کے بارے میں اس کا جو رویہ میرے سامنے آیا اور جس نے میرے ذہن پہ ایک گہرا نقش چھوڑا، میں نے چاہا کہ اپنا وہ تاثر آپ کے سامنے رکھ دوں۔ قرآن مجید کے مطابق ان محروم طبقات کی محرومیوں کا دائرہ بہت وسیع ہے، وہ سیاسی بھی ہیں اور تہذیبی بھی، اقتصادی بھی ہیں اور سماجی بھی۔

قرآن حکیم کے اس رویّہ کی تصویر کشی سے میرا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ اسے اُن سے کس قدر ہمدردی ہے۔ اور وہ کس طرح ان کو اُوپر اُٹھانا چاہتا ہے۔ سماجی یا اقتصادی لحاظ سے پسے ہوئے عوام اب اپنی موجودہ حالت پہ قانع رہنے کے لیے تیار نہیں۔ ان کے تیور بدل چکے ہیں۔ اور وہ ہر ایسے سماج یا اقتصادی نظام سے جس سے اُن کی اس زبوں حالی کو استحکام اور دوام ملتا ہو، نہ صرف ٹکرا جانے پر آمادہ ہیں بلکہ اپنی سابقہ محرومیوں کا بدلہ بھی چکانا چاہتے ہیں۔ اقتصاد و معیشت کے اس دَور میں اس غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے اُٹھنے والے طوفانوں میں ہمارا فرض ہے کہ ہم قرآنِ حکیم کی روشنی میں اپنی راہ متعین کریں اور دیکھیں کہ اس کا جھکاؤ کس طرف ہے تاکہ اسلام کی کشتی ان طوفانوں کے تھپیڑوں سے محفوظ رہ کر دکھی انسانیت کو امن و سکون اور خوش حالی و رفاہیت کے ساحلِ مُراد تک پہنچا سکے۔

میرے تتبع کے مطابق قرآنِ حکیم میں چار محروم طبقات کا ذکر ملتا ہے۔ مشاغلِ زندگی کے وسیع ہوجانے کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ اب محروم طبقات کا شمار بڑھ گیا ہو۔ لیکن اگر بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو نام کی تبدیلیوں سے قطع نظر سب کو اِن چار کے ذیل میں لایا جاسکتا ہے اور ان کے متعلق قرآنِ حکیم کی دی ہوئی روشنی سے ہم دُور دُور تک اُجالا کر سکتے ہیں۔ قرآنِ حکیم کا وہ فرمان جو حضرت موسٰی علیہ السلام کی بعثت کا مقصد و مدعا واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا، ہماری ہمہ جہت رہنمائی کے لیے بس کرتا ہے۔ ہر ذوقِ سلیم رکھنے والا شخص سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد صرف بنی اسرائیل ہی کے لیے نہ تھا، بلکہ ہر دَور کے پِسے ہوئے طبقات کے بارے میں اس کو یہی مطلوب و مقصود ہے۔ فرمانِ خداوندی یہ ہے:۔

ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین ونمکن لھم فی الارض ط

یعنی ہم چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کو ہماری زمین پر کمزور بنا دیا گیا ہے، ان پر احسان کریں، انھیں امام و پیشوا بنائیں، انہیں مُلک کے وارث بنائیں اور انہیں زمین میں اقتدار بخشیں۔

آیتِ کریمہ میں لفظ اُستُضعِفُوا بصیغۂ مجہول قابلِ غور ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے سماجی، سیاسی اور اقتصادی نظام رائج کیے گئے کہ کچھ لوگ کمزور، پس ماندہ اور زیردست بن کر رہ گئے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے پیغمبر کے ذریعے اس کی جگہ ایک ایسا نظام قائم کریں کہ کمزور طاقت ور ہوں، انہیں مُلک کے وسائلِ معیشت اور اقتدار میں حصہ ملے۔

آیئے! اب ہم قرآنِ حکیم کے اندر مذکور محروم طبقات کو ایک ایک کر کے لیتے ہیں اور معلوم کرتے ہیں کہ اُس نے ان کے بارے میں کیا روش اختیار کی ہے۔

قرآن حکیم اور محروم طبقات

عورت روزِ ازل ہی سے مرد ایسی قوتیں اور صلاحیتیں لے کر پیدا ہوا ہے کہ وہ کشمکشِ حیات میں جرأت مندانہ حصہ لے سکتا ہے اور حوادث و مشکلاتِ زمانہ کا مقابلہ زیادہ حوصلے کے ساتھ کر سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کارزارِ حیات میں ہمیشہ اسی کا کردار نمایاں رہا ہے جب کہ عورت کمزور اور منفعلانہ فطرت پر پیدا کی گئی ہے۔ اس لیے جدوجہدِ زندگی میں وہ زیادہ تر پسِ پردہ ہی رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرد کے اندر احساسِ برتری نے سر اٹھایا اور وہ اپنے مقابلے میں عورت کو حقیر اور کمتر تصور کرنے لگا۔ یہ احساس آہستہ آہستہ ترقی کرتا چلا گیا اور نوبت بایں جا رسید کہ معاشرے میں عورت بالکل ہی بے وقار ہو کر رہ گئی۔ وہ خود بھی احساسِ کہتری میں مبتلا ہو کر رہ گئی۔ اس کی یہ تحقیر اس قدر جڑ پکڑ گئی کہ رسم و رواج سے آگے بڑھ کر اس نے فلسفے میں نظریے اور مذہب میں عقیدے کی شکل اختیار کر لی۔ چنانچہ کوئی تو اسے سرے سے موجود ہی ماننے کے لیے تیار نہ ہوا۔ کسی نے اسے مرد کے جی بہلاوے کا صرف ایک کھلونا قرار دیا۔ کچھ نے اسے ناگزیر برائی سمجھ کر بادلِ ناخواستہ قبول کیا۔ اور کچھ نے اسے ابن آدم کی تمام بدبختیوں کا ماخذ و منبع قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے مرد کی زندگی میں اس کی داسی بن کر رہنے اور اس کی موت پر اس کے ساتھ زندہ جل کر مر جانے کا حکم دیا۔ اِن حالات میں جب کہ اس کے نفسِ وجود ہی سے انکار کیا جا رہا ہے، کیسے ممکن تھا کہ اس کا ایک مستقل تشخص مانا جاتا یا اس کے کچھ حقوق تسلیم کیے جاتے۔ عورت کے ساتھ یہ سلوک، اس وقت کے نام نہاد روشن خیال، تہذیب و تمدن اور علم و دانش کے مرکز ممالک مثلاً چین، روم، ہندوستان اور یونان وغیرہ میں روا رکھا جا رہا تھا تو عربوں کی اُجڈ اور جاہل قوم سے اس بارے میں کسی بہتر سلوک کی کیا توقع کی جا سکتی تھی۔ ان کے معاشرے میں عورت کی جو درگت بن رہی تھی وہ تاریخ دان حضرات سے مخفی نہیں ہے۔ اس کا درجہ معاشرتی لحاظ سے بالکل پست تھا۔ اس کی پیدائش خاندان کے لیے باعثِ ننگ تصور کی جاتی تھی۔ قرآن مجید کہتا ہے۔ واذا بشر احدھم بما ضرب للرحمٰن مثلاً ظل وجھہ مسوداً وھو کظیم۔ سفاکی کی حد یہ ہے کہ اس عار سے بچنے کے لیے انھیں اپنے ہاتھوں زندہ، گڑھوں میں دفن کر دیا جاتا تھا۔ قرآن مجید شہادت دیتا ہے:۔ واذا الموءدۃ سئلت بای ذنب قُتلت۔

عورتوں کے ساتھ وابستگی کے، نکاح کے معروف طریقے کے علاوہ اور بھی کئی واہیات قسم کے طریقے رائج تھے۔ نکاح میں مردوں پر تعداد کی کوئی پابندی نہ تھی۔ ایک مرد جس تعداد میں چاہتا تھا عورتیں اُٹھا کر گھر میں ڈال لیتا تھا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ باپ کی منکوحات کا پورے کا پورا گلہ سوائے حقیقی ماں کے بیٹوں کی طرف اسی طرح منتقل ہو جاتا تھا جس طرح اُس کی دوسری جائداد،

ڈھور ڈنگر وغیرہ ۔ وہ جب چاہتا کسی عورت کو کچے دھاگے سے باندھ کر اپنے حرم میں ڈال لیتا اور جب چاہتا اس دھاگے کو توڑ کر اسے پرے پھینک دیتا ۔ عورت سے نہ جوڑتے وقت کوئی رائے لی جاتی نہ توڑتے وقت ۔ رشتۂ ازدواج میں منسلک کر لینے کے بعد بھی اُسے طرح طرح کے کچوکے دیئے جاتے ۔ نکاح اور طلاق ، پھر نکاح اور پھر طلاق کی صورت میں اسے بار بار جھٹکے دیئے جاتے ۔ اس کے لیے مقرر کیے ہوئے مہر کو واپس لینے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کیے جاتے اور بعض دفعہ تو عورت کو کچھ پلے سے دے کر گلو خلاصی کرانی پڑتی ۔ ایسے میں اس بات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ عورت کا سماج پر بھی کوئی حق ہو اور معاملاتِ زندگی میں اُس کی بھی کوئی آزادانہ رائے ہو ۔

ظلم و ستم سے تپتے ہوئے اس انسانی صحرا میں عورت حسنِ سلوک اور شریفانہ برتاؤ کی پیاس سے تڑپ رہی تھی کہ قرآن حکیم اس کے لیے ابرِ رحمت بن کر برسا اور اس طرح برسا کہ اس کے برسائے ہوئے آبِ حیات سے نہ صرف اس کی پیاس بجھ گئی بلکہ اس میں جانِ تازہ آگئی ۔ قرآن حکیم نے مَردوں کو مخاطب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ سنو! هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط انسانی زندگی کی گاڑی کو رواں دواں رکھنے کے لیے عورت کا وجود تمہارے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا تمہارا اس کے لیے ۔ اور پھر اُن کے حقوق کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ولھن مثل الذی علیھن کہ بے شک عورت پر کچھ فرائض بھی ہیں لیکن اس کے حقوق بھی اتنے ہی ہیں جو تم پر فرض ہیں ۔ یہ معاملہ یک طرفہ نہیں ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں کا قوّام بنایا ہے ۔ اور اس طرح انہیں ایک حد تک فوقیت حاصل ہے ۔ مگر قوام وہ ہوتا ہے جو کسی کے حقوق کا محافظ و نگران ہو جو انہیں قائم و بحال رکھے ۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ غاصب و ظالم ہے ، قوام نہیں ۔ پھر مَردوں کو حکم دیا گیا کہ ۔ عاشروھن بالمعروف کہ عورتوں کے ساتھ بھلے لوگوں کی طرح زندگی گذارو ۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی ۔

قرآن حکیم میں عائلی زندگی سے متعلق جتنی بھی ہدایات دی گئی ہیں ، سب مَردوں کو دی گئی ہیں کیونکہ زیادتی انہی کی طرف سے ہو رہی تھی ۔ ان آیات کو غور سے پڑھا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ قرآن حکیم کس طرح عورتوں کے چھنے ہوئے حقوق انہیں واپس دلا رہا ہے ۔ اس سلسلہ میں اولین معاملہ

نکاح کا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں بھی ان سے رائے لینے کا حکم دیا گیا۔ ایک مرد سے طلاق ہو جانے کے بعد عورت کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ــــ نہ کہ مردوں کی مرضی پر ــــ کہ وہ جہاں چاہے پہلے خاوند سے دوبارہ یا کہیں اور جائز طریقے سے شادی کر لے۔ مردوں کو روکنے کا کوئی حق نہیں۔ قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے:۔

۱ــ اذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن اذا تراضوا بينهم

۲ــ..... فاذا بلغن اجلهن فلا جناح عليكم فيما فعلن في انفسهن بالمعروف۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لا تنكح الايم حتى تستامر ولا تنكح البكر حتى تستاذن۔ کہ عورت بیوہ ہو یا ناکتخدا، اس سے اجازت و مشورہ کیے بغیر اس کا نکاح ہرگز نہ کیا جائے۔ مہر کو ان کا حق قرار دیا۔ اور اسے حیلے بہانوں سے واپس لینے کو مروّت کے خلاف اور ایک قسم کی خسّت و دناءت قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا: لا يحل لكم ان تاخذوا مما اتيتموهن شيئًا۔ مردوں کو یہ تاکید بھی کی گئی کہ اگر انہیں اپنے ساتھ رکھنا ہے تو شریفانہ طریقے سے رکھو اور اگر علیحدہ کرنا بھی ہے تو نیکی اور احسان کے ساتھ انہیں رخصت کرو، انہیں درمیان میں اَدھر لٹکتا ہوا نہ چھوڑو۔ امسكوهن بمعروفٍ او سرحوهن باحسان۔ نکاح کی معروف صورت کے علاوہ، بدمعاشی پر مبنی تمام صورتوں کو ممنوع قرار دے دیا اور کہا کہ احل لكم ما وراء ذلكم ان تبتغوا باموالكم محصنين غير مسافحين۔ مردوں نے عورتوں کے جسموں کو آمدنی کا ذریعہ بنا رکھا تھا اور انہیں عصمت فروشی پر مجبور کیا جاتا تھا۔ قرآن حکیم نے سختی کے ساتھ اس سے منع کیا اور کہا کہ لا تكرهوا فتياتكم على البغاء اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مَهْرُ الْبَغِيِّ حَرَامٌ فرما کر اس کا دروازہ بالکل بند کر دیا۔ قرآن حکیم نے طلاق کے بعد مرد کو یہ حق بھی نہیں دیا کہ وہ اپنے نومولود بچے کو دودھ پلانے کے لیے اسے مجبور کر سکے۔ بلکہ اُسے عورت کی رضامندی پر چھوڑا اور ساتھ ہی اتنے عرصے کے لیے عورت کے تمام اخراجات مرد پر ڈالے۔ چنانچہ حکم ہوتا ہے کہ على المولود له

رزقھن وکسوتھن بالمعروف - حد یہ ہے کہ مرنے والوں کی جائداد میں عورت کے لیے بیوی، بیٹی، بہن اور ماں ہونے کی حیثیت میں باقاعدہ حصّے مقرر کیے ہیں - آیۂ توریث کو پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ نازل ہی صرف عورتوں کے حقوق بیان کرنے کے لیے ہوئی ہے۔ مردوں کا ذکر تو صرف ضمناً آ گیا ہے - قرآن حکیم نے عورتوں کو یہ وہ حق دیا ہے جو اس وقت کوئی اور قوم تو کیا دیتی، ہمارے دَور کی بہت سی ترقی یافتہ اور مرد وزن کی مساوات کی علمبردار قوموں نے بھی نہیں دیا -

قرآنِ حکیم نے طبقۂ نسواں کے متعلق اپنی روش کچھ اس طرح رکھی ہے کہ جہاں وہ مردوں کی نیکوکاریوں کا ذکر نہایت تفصیل سے کرتا ہے - عورتوں کا ذکر اس طرح نہیں کرتا - صرف ایک دو واقعات کا استثناء ہے - اگر کہیں کیا ہے تو مردوں کے ضمن میں - اللہ تعالیٰ کو ان کی خاطرداری و دلجوئی کا اتنا پاس ہے کہ مفسرین کی روایت کے مطابق بعض آیات ان کی فرمائش و خواہش پر بصیغۂ تانیث نازل ہوئیں -

قرآنِ حکیم میں اگر کچھ سورتیں مردوں کے نام پر ہیں تو عورتوں کو بھی اس افتخار سے محروم نہیں رکھا گیا، بلکہ بعض سورتیں جیسے النساء اور مریم ان کے نام سے معنون کر دیں - حضرت خولہ بنت ثعلبہ سے ان کے خاوند نے ظہار کیا تو قرآن پڑھ کر اندازہ لگائیے کہ اس کا لہجہ اُن کے بارے میں کتنا دھیما، محبت آمیز، ہمدردانہ اور رحم و کرم سے لبریز ہے جب کہ ان کے خاوند کے بارے میں کتنا تند و تلخ اور پُر عتاب ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مظلوم تھیں -

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کے ذہنوں سے عورتوں کے متعلق اس تحقیر کو جو متواتر چلی آتی تھی، نکالنے کے لیے ہی فرمایا تھا کہ مجھے تمہاری دُنیا سے تین چیزیں محبوب ہیں — نماز، خوشبو اور طبقۂ نسواں — آپ کو اس کمزور طبقے کے حقوق کا اس قدر اہتمام تھا کہ حجۃ الوداع اور رحلت کے وقت بھی وصیت فرمائی کہ ان کے حقوق کا خیال رکھنا اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا -

قرآنِ حکیم نے انسانی معاشرے کے اس صدیوں سے پستے چلے آنے والے طبقے کو جو حقوق دیئے انہی کا نتیجہ تھا کہ عورتوں میں خود اعتمادی پیدا ہوئی اور وہ جو حیوانِ غیر ناطق بن کر رہ گئی تھیں، اب عمرؓ جیسے مردوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرنے لگیں اور جب انہیں اس پر تعجب ہوا تو انہوں نے ازواجِ مطہرات اور حضورؐ کا حوالہ دیا اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ ایک خاتون نے حضرت عمرؓ جیسے باہیبت خلیفہ

کو بر سر منبر ٹوک دیا کہ جب ہمارے خدا نے ہمارے مہر کی کوئی حد مقرر نہیں کی تو تم کو اس کا کیا حق ہے اور انہیں اس عورت کے سامنے گردن ڈال دینا پڑی اور اپنا حکم واپس لے لیا۔ حضرت عمرؓ امورِ سلطنت میں عورتوں سے مشورہ لیا کرتے تھے اور حضرت شفاء بنت عبداللہ کو اشیائے صرف کی قیمتوں پر کنٹرول کا کام سپرد کر رکھا تھا۔ عورتیں مختلف کام کر کے اپنی روزی کماتی تھیں۔ قرآن حکیم نے عورتوں کو گواہی کا حق دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ گواہی واقعاتِ زندگی میں شرکت یا ان کے مشاہدے کے بعد ہی دی جا سکتی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اسلام میں پردے کا حکم بھی عورت کے تحفظ اور اس کی عزت کو قائم رکھنے کے لیے دیا گیا ہے۔ اسلام کو ان کا تقدس اس قدر عزیز ہے کہ وہ نہیں چاہتا کہ کسی کی گناہ آلود نگاہیں اس پر پڑیں۔ اس طرح یہ حکم کسی ناروا پابندی کے بجائے اس کے حق احترام و اکرام کی ذیل میں آتا ہے۔

ممکن ہے کہ کچھ لوگ کہیں کہ یہ تم نے کیا بے وقت کی راگنی چھیڑ دی۔ اب تو عورتوں کا راج ہے اور مرد ان کا پانی بھرتے ہیں۔ یہ صورتِ حال کا صرف سطحی مطالعہ ہے۔ بہ نظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو عورت اب بھی مظلوم ہے۔ بے شک اسے بہترین لباس اور بہترین خوراک مہیا کی جائے گی۔ اس کے رنگ روغن کے لیے مسالہ بھی مہیا کر دیا جائے گا۔ اور اسے کار میں بٹھا کر یا انگلی سے لگا کر سڑکوں یا پارکوں میں چہل قدمی بھی کرائی جائے گی۔ لیکن اگر آپ غور سے مطالعہ کریں تو محسوس کریں گے کہ مرد اس طرح صرف اپنی آزاد خیالی، ترقی پسندی اور سب سے زیادہ اپنی دولت مندی کا اظہار کر رہا ہے اور عورت کو صرف ماڈل گرل کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لیے بھی اُسے استعمال کر رہا ہے۔ ہمارے اخبارات، ہمارے رسائل، ہماری تجارت، ہمارا ادب غرض کوئی ایسا شعبۂ حیات نہیں جس میں عورت کو استعمال نہ کیا جا رہا ہو۔ یہ مقابلہ ہائے حُسن، یہ مخلوط سماجی تقریبات، ریڈیو اور ٹی۔ وی یا فلم پر نسوانی آواز و تصویر یہ سب مرد کی ہوس کاریوں کے مظاہر ہیں۔ عورت کو اپنے جذبات کی تسکین کے لیے بر سرِ عام رسوا کیا جا رہا ہے۔ مگر عورت اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے، مرد کے اصل جذبات و محرکات سے بے خبر، اس بات پر خوش ہو رہی ہے کہ اُسے مرد کے برابر حقوق مل گئے ہیں، حالانکہ وہ اپنے حقوق سے آج

بیسویں صدی میں بھی اسی طرح محروم ہے جس طرح چوتھی اور پانچویں صدی میں تھی۔ اسے تلخ حقیقت کا اُس وقت سامنا کرنا پڑتا ہے جب وہ کسی معاملہ میں مرد کے سامنے اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کرتی ہے یا مرد کی خواہشِ نفس کے خلاف جاتی ہے چاہے وہ کتنی ہی سچائی پر کیوں نہ ہو۔ طلاق کی تلوار آج بھی اس کے سر پر بدستور لٹک رہی ہے۔ طلاق دینے کے غیر اسلامی طریقے آج بھی اس کی زندگی کو بدستور تلخ بنا رہے ہیں۔ اس کا حق مہر باندھنے کو تو کئی کئی لاکھ روپے باندھ لیا جاتا ہے، مگر ملتی اُسے ایک کوڑی بھی نہیں۔ جب تک وہ اپنے ساتھ مرد کی کئی پشتوں تک چلنے والا ساز و سامان لے کر نہ آئے، کوئی اُسے قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ نئے گھر میں داخل ہوتے ہی اسے چاروں طرف سے رقیبوں اور حریفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جن میں گھر کر وہ اپنی زندگی کو گھن لگا لیتی ہے۔ جہاں تک حقِ وراثت کا تعلق ہے، اُس اسلامی مُلک کے مسلمان باشندوں نے قسم کھا رکھی ہے کہ یہ حق تو اُسے کسی قیمت پر نہ لینے دیں گے۔ چنانچہ کہیں تو اُن سے زبردستی اقرار نامے لکھوا لیے جاتے ہیں، اور کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ سگے بھائی محض چند مرلے زمین کی خاطر اپنی بہنوں کو اپنے ہاتھوں ٹھکانے لگا دیتے ہیں۔ اسی طرح عورت آج بھی مرد کے پاؤں کی جوتی ہے جب چاہا اُتار پھینکی۔ الغرض جاہلیتِ اُولیٰ میں عورت کے ساتھ جو سلوک کیا جا رہا تھا، اگر آپ انصاف سے کام لیں گے تو محسوس کریں گے کہ وہ سلوک اس کے ساتھ جاہلیتِ ثانیہ کے اس دَور میں بھی کیا جا رہا ہے۔ حقوق کُشی اور ظلم و ستم کی اس فضا میں ہماری عائلی زندگی میں کبھی امن و سکون نہیں آسکتا۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں استحکام اور امن و سکون ہو تو ہمیں عورت کے وہ تمام حقوق اور عورت کا وہ مقام بحال کرنا ہو گا جو قرآن حکیم نے اُسے دیا ہے۔

یتیم یتیم کسی معاشرے کا مستقل مظلوم طبقہ تو نہیں ہیں بلکہ باپ کے سایۂ شفقت سے محروم ہو کر بے سہارا ہو جانے کی وجہ سے عموماً اُن کے لیے لوگ اپنے دلوں میں جذبۂ ترحم محسوس کرتے ہیں۔ تاہم اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ ایسے سنگ دل لوگ ہمیشہ موجود رہے ہیں جو ان کی مضبوط پشت و پناہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کا استحصال کرتے ہیں اور اُن پر ظلم و ستم توڑنے سے نہیں چوکتے۔ ناممکن تھا کہ مظلوموں اور محروموں کا حامی قرآن اُن کے بارے میں خاموش رہتا۔

اُس نے سب سے پہلے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اپنی یتیمی یاد دلائی اور بتایا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن کو یتیمی کی بے سرو سامانی کی حالت سے نکال کر اپنے پاؤں پر کھڑا کیا۔ پھر معاً یہ نصیحت کی کہ

جب تمہیں اپنے ذاتی تجربے سے معلوم ہے کہ ایک یتیم بچہ کس طرح اس بھری دنیا میں اپنے آپ کو یکہ و تنہا اور بے سہارا محسوس کرتا ہے۔ اس کے دل میں کتنے ہی ارمان اُٹھتے اور ڈوب جاتے ہیں، مگر کوئی اُن کو پورا کرنے والا نہیں ہوتا۔ ناز و نیاز کی کتنی ہی کیفیتیں اس کے ننھے سے دل پہ گزرتی ہیں۔ مگر ان کے اظہار کے لیے اُسے کوئی شفقت بھری ناز بردار گود میسر نہیں آتی۔ وہ چلنا چاہتا ہے، تو کوئی اُس کی انگلی پکڑنے والا نہیں ہوتا۔ وہ ٹھوکر کھا کر گرتا ہے تو کوئی اُسے اُٹھانے والا نہیں ہوتا۔ اس لیے کسی یتیم پر سختی کر کے اس کے آبگینۂ دل کو ٹھیس نہ پہنچانا۔ ۲؎ اَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْہَرْ۔ خود مہبطِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اُمت اس کی اہمیت کو سمجھ لے۔ اس پر بس نہیں۔ قرآنِ حکیم تو یہ چاہتا ہے کہ ان کی بے کسی کی وجہ سے ہمارے دلوں میں اُن کے متعلق استحقار و استصغار پیدا نہ ہونے پائے، بلکہ اس کی جگہ ان کے دلوں میں جذبۂ اکرام و احترام ہو اور جو لوگ انہیں حقیر سمجھتے ہیں، انہیں عذاب الیم بتلاتے ہوئے کہا جائے گا کہ تم یتیموں کا اکرام نہیں کرتے تھے۔ بَلْ لَّا تُکْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ۔

پھر ان بے سہارا اور بے وسیلہ یتیموں کی ضروریاتِ معاش مہیا کرنے کو بہت بڑی نیکی قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا:

۱۔ فلا اقتحم العقبۃ وما ادرٰک ما العقبۃ فک رقبۃ o اطعام فی یوم ذی مسغبۃ o یتیما ذا مقربۃ o

۲۔ ولٰکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر والملٰئکۃ والکتٰب والنبیین و اٰتی المال علی حبہ ذوی القربٰی والیتٰمٰی o

زکوٰۃ و صدقات کے مصارف میں یتیموں کو ایک اہم مصرف قرار دیا تا کہ سماج یا حکومت ان کی کفالت اپنے ذمے لے سکے۔

چند خدا ترس خوش حال لوگ آسانی سے یتیموں کی ضروریاتِ معاش تو شاید مہیا کر دیں لیکن جب تک اُن کو سماج میں اہمیت نہ دی جائے۔ وہ اپنے آپ کو اس سے کٹا ہوا محسوس کرتے رہیں گے اور ایک شدید احساسِ تنہائی انہیں ہر لمحہ اندر سے کاٹتا رہے گا۔ اس امر کے سدِ باب کے لیے قرآنِ حکیم نے یہ انتظام کیا کہ مسلمانوں کو پہلی بیویوں کی موجودگی میں یتیم بچوں کی ماؤں کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت دی ہے تا کہ ایک طرف وہ خاندان سے وابستہ ہو کر احساسِ تنہائی و بے کسی سے نجات پا سکیں اور دوسری طرف

ان کی مائیں اپنے نئے خاوندوں سے انہیں شفقتِ پدری دلا سکیں۔ چنانچہ فرمایا کہ:

وان خفتم الا تقسطوا فی الیتٰمٰی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنٰی وثلٰث وربٰع۔

ہوتا یہ تھا کہ اگر کوئی یتیم بچی کسی کھاتے پیتے گھرانے کی بیٹی ہے اور اس نے ورثہ میں کافی جائداد پائی ہے۔ تو حریص وارث اسے اس بات کی اجازت نہ دیتے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی دوسرے گھرانے میں شادی کرلے کہ کہیں اس کی جائداد ادھر منتقل نہ ہو جائے یا اُسے زبردستی اس کی مرضی کے برخلاف اپنے خاندان کے کسی فرد سے نتھی کر دیتے تاکہ وہ جائداد انہیں کے پاس رہ جائے۔ اور انہیں مہر وغیرہ کی زحمت بھی نہ اٹھانا پڑے۔ ان تمام زیادتیوں سے یہ کہہ کر روک دیا گیا کہ:

اللہ یفتیکم فیھن وما یتلٰی علیکم فی یتٰمی النساء اللاتی لا توتونھن ما کتب لھن وترغبون ان تنکحوھن والمستضعفین من الولدان وان تقوموا للیتٰمٰی بالقسط۔

سنگدل قسم کے رشتہ داروں کے لیے سب سے مرغوب صورت یہ ہے کہ یتیم کی خیر خواہی کے نام پر اس کے مال کو اپنے کاروبار میں لگا یا جائے اور اس آڑ میں آہستہ آہستہ اس کے مال کو ھضم کر لیا جائے۔ خسارے یا کثیر اخراجات کا بہانہ بنا کر اس کی جائیداد کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔ اس سلسلے میں ایک طرف تو یہ فرمایا کہ وہ تمہارے بھائی بند ہیں۔ اگر نیک نیتی سے انہیں اپنے ساتھ ملاؤ گے تو یہ اپنے ہی بھائیوں کی بھلائی اور خیر خواہی ہوگی۔ لیکن یاد رکھو کہ اللہ تعالٰی کی تمہاری نیتوں پر پوری طرح نگاہ ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون ان یتیموں کے حالات کو سدھارنا چاہتا ہے اور کون ان کا مال اُڑانا چاہتا ہے۔ اس کی پکڑ سے ڈرو۔ ان کے مال کو کھانا گویا اپنے پیٹ میں جہنم کے شعلے اُتارنا ہے۔

۱۔ لا تاکلوا اموالھم الی اموالکم انہ کان حوبا کبیرا۔ لا تاکلوھا اسرافا وبدارا ان یکبروا۔

۲۔ ان الذین یاکلون اموال الیتٰمٰی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا۔

سامنے ہی یہ حکم بھی دیا کہ جب تک تمہیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ وہ اپنے نفع و نقصان کو سمجھنے لگے ہیں

اور ان میں اپنا کاروبارِ معاش خود چلانے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے۔ اس وقت تک اُن کا سرمایہ ان کے حوالے نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ نادانی میں اپنا سرمایہ تباہ کر لیں اور پھر کوڑی کوڑی کے محتاج ہو جائیں۔ قرآن حکیم کو ان کے سرمایہ کے تحفظ کا اس قدر اہتمام ہے اور ان کے مستقبل کی اتنی فکر ہے کہ وہ سرپرست کو اس بات کی بھی اجازت دیتا ہے کہ اُن کے مال کے تحفظ و فروغ کی وجہ سے اگر اُسے اتنا وقت نہ ملے کہ وہ اپنی روزی کما سکے تو وہ بقدرِ ضرورت و کفایت ان کے مال میں سے استعمال کر سکتا ہے۔

۱۔ ولا تؤتوا السفهاء اموالكم التي جعل الله لكم فيها قياما......

وابتلوا اليتامىٰ حتى اذا بلغوا النكاح فان آنستم منهم رشداً فادفعوا اليهم اموالهم۔

۲۔ من كان غنياً فليستعفف ومن كان فقيراً فلياكل بالمعروف۔

تعجب ہے کہ مسلمانوں کی آسمانی کتاب کو تو یتیموں کی فلاح و بہبود کا اس قدر اہتمام ہو لیکن خود مسلمانوں کے معاشرے میں ان کا کوئی پُرسانِ حال نہ ہو۔ وہ یا تو ان سفاک لوگوں کی ستم رانیوں کا شکار رہیں، جو ان کی جائداد ہضم کرنا چاہتے ہیں یا وہ ڈاکوؤں، چوروں، جیب کتروں اور دوسرے سماج دشمن عناصر کی صحبت میں پڑ کر امن و امان کا مسئلہ بنے رہیں یا کچھ عیار لوگ ان کے نام پر دارالیتامیٰ کھول کر بسوں اور گاڑیوں میں اُن سے بھیک منگواتے رہیں۔ سارے مُلک کے اندر معتد بہ تعداد میں ایسے سرکاری یا غیر سرکاری ادارے نہ ہوں جہاں وہ اپنی صلاحیتوں کے مطابق اونچی سے اونچی تعلیم اور اعلیٰ سے اعلیٰ ہنر حاصل کر سکیں۔ اور معاشرتی لحاظ سے ایسا مقام حاصل کر لیں کہ سہاروں والے بھی ان پر رشک کریں۔ جس مُلک میں ان کمسن بے سہاروں کے ساتھ یہ سلوک کیا جا رہا ہو اور جہاں ان کی اس ننگ انسانیت حالتِ زار کے مناظر شب و روز عام دیکھنے میں آتے ہوں، میں نہیں سمجھتا کہ اس مُلک کے باشندے کس منہ سے اپنے آپ کو ایک اسلامی مُلک کے باشندے کہلاتے ہیں اور اپنے آپ کو قرآنِ حکیم کے حامل تصور کرتے ہیں۔ (باقی)